ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"منشوارت" ازدتاتریہ کیفی کا تجزیاتی مطالعہ

1۔ڈاکٹر محمد نعیم گھمن

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ شالیمار گریجویٹ کالج باغبان پورہ لاہور

2۔ڈاکٹر آمنہ رفیق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور کیمپس

3۔ محمد ذوالقرنین جواد

پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

4۔ محمد عمران (عمران اشرف جھنڈیر)

پی ایچ۔ڈی اردو سکالر

انچارج شعبہ اردو

،یونیورسٹی آف لیہ، کچہری

روڈ لیہ

Abstract:

Pandit kaifi was the renown linguist before partition. There are two books to his name. Books are named as Kafiya and Manshorat respectively, The later one is collection of his lectures which he delivered in the different cities of sub-continent. In those lectures he gave his opinion on both linguistics and literature. Pandit kaifi was the best scholar of Urdu literature , along with Molvi Abdul -Haq he worked for the compiling and publication. Kaifi talked deeply and scholarly on basic linguistical concepts. Pandit has evaluated the elements and barriers language. Kaifi comes first in the field of linguistical research. Before this linguistics was not worked on with that much organizing way. Kaifi provided the base for the modern linguistics. Pandit's book Manshorat covers not only linguistics but education and literature as well. Indeed the works of kaifi in linguistics are unforgettable.

Keywords: renown linguist, Kafiya , Manshorat , basic linguistical concepts, literature, barriers language

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

پنڈت دتاتریہ کیفی ماہر لسانیات تھے۔پنڈت کیفی 1866 کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی۔فارسی اور اردو کی تعلیم کے بعد سکول میں داخل کروائے گئے۔ سینٹ اسٹیف کالج، دہلی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ کیفی زمانہ طالب علمی میں ہی اُردو، فارسی اور انگریزی ادب پر کافی عبور حاصل کر چکے تھے۔ادب کے ساتھ ساتھ صحافت سے بھی انہیں کافی دلچسپی تھی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ایک کانگریسی ہفتہ وار اخبار ''خیر اندیش ''کی ادارت سنبھالی۔اسی دوران انہیں کانگریس کا سفیر چنا گیا اور ۱۸۸۹ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کیلئے بمبئی گئے۔انہوں نے یورپ کا بھی سفر کیا لیکن اسی دوران پہلی عالمی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے انہیں وہاں سے واپس آنا پڑا۔یہاں آکر ریاست کشمیر میں اسسٹنٹ فارن سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ان کی ذاتی لائبریری میں اُردو، فارسی، انگریزی اور سنسکرت کی ہزاروں کتابیں موجود تھیں۔ان کا حافظہ بڑا تیز تھا۔انہیں اردو کے لسانی مباحث سے بڑی دلچسپی تھی۔وہ ہر موضوع پر بڑے اعتماد کے ساتھ گفتگو کر سکتے تھے۔دہلی میں ان کے نام پر ایک کیفی لائبریری قائم ہوئی تھی۔ کیفی کا تعلق برہمن خاندان سے تھا جو اپنے عقائد میں سخت گیر ہوتے ہیں لیکن کیفی اپنے مذہبی عقائد میں آزاد اور روشن خیال تھے۔وہ مذہبی پیشواؤں سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔

کیفی علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے۔وہ اکثر علمی وادبی کانفرنسوں اور جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ایک بار ایک جلسے میں شرکت کے لیے حیدر آباد گئے تو وہاں آپ کی ملاقات مولوی عبدالحق سے ہوئی۔اس کے بعد ۱۹۳۹ء میں ان دونوں نے مل کر کشمیر میں انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی اور اس کیلئے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جو کافی کامیاب رہی۔یہیں کیفی نے ''خم خانہ جاوید '' کی پانچویں جلد کی ترتیب کا کام مکمل کیا جو لالہ سری رام کی وفات کے بعد ادھورا رہ گیا تھا۔یہ جلد ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔۱۹۴۵ء میں انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ لائل پور چلے آئے۔۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا معاملہ سامنے آیا اور مولوی عبدالحق پاکستان چلے گئے اور کیفی کسی طرح بچتے بچاتے بمبئی اور پھر دہلی پہنچے۔ یہاں قاضی عبدالغفار انجمن کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور انجمن کا دفتر دہلی سے علی گڑھ منتقل ہو گیا۔لیکن کیفی کا تعلق انجمن سے برقرار رہا۔۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو احمد آباد میں اردو کانفرنس کے دوران آپ کی ملاقات پھر مولوی عبدالحق سے ہوئی۔وہ آپ کو کراچی لے گئے لیکن خرابی صحت کی وجہ سے آپ دہلی واپس آگئے۔طبیعت بہ دستور بگڑتی رہی۔ آنکھوں کے علاج کیلئے علی گڑھ آئے اور واپسی پر اپنے بھتیجے کے یہاں غازی آباد رک گئے۔وہیں پھر ایسی طبیعت بگڑی کہ دوبارہ دہلی نہ جا سکے اور غازی آباد میں ہی یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو زمین کا پیوند بنے۔

انہوں نے اُردو لسانیات میں تاریخی مطالعے کے ساتھ ساتھ قواعد واصول زبان اور اس کی اصلاح سازی پر خاص توجہ دی۔ان موضوعات پر رسائل و جرائد میں بکھرے مضامین کے علاوہ ان کے دو اہم مجموعہ مضامین ''منشورات''(۱۹۳۴ء) اور ''کیفیہ'' (۱۹۴۲ء) بھی منظر عام پر آگئے۔ان دونوں کتابوں میں انہوں نے اردو زبان کے اصول و قواعد اصلاح زبان اور املا سازی سے متعلق عالمانہ بحث چھیڑی ہے۔علاوہ ازیں اس میں ہند آریائی زبانوں کے عہد بہ عہد ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے اُردو کے ماخذ سے متعلق اپنے نظریات کی وضاحت بھی کی ہے۔

تقسیم ہند سے پہلے ماہرین لسانیات میں پنڈت کیفی ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اردو لسانی حوالوں سے قابل ذکر سرمایہ چھوڑا ہے۔ان کے نظریات و مباحث نے اردو لسانیات کے ماہرین کیلئے نئے در وا کئے، نئے عالمانہ مباحث کو جنم دیا۔''منشورات''پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی ایک اہم تصنیف ہے جو پہلی مرتبہ لاہور سے ۱۹۳۴ء میں منظر عام پر آئی ۔علمی اور ادبی لیکچروں اور مضامین پر مبنی اس مجموعہ میں مختلف اور لسانی موضوعات پر تحریریں شامل ہیں۔ جنہیں پنڈت کیفی ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۴ء کے عرصہ کے دوران احاطہ تحریر میں لائے۔ان میں سے چند لیکچر عثمانیہ یونیورسٹی، اردو سبھا لاہور، انجمن اردو لکھنؤ اور انجمن ارباب لاہور کے سامعین کے سامنے پیش کئے گئے۔اگرچہ یہ خطبات و مضامین مختلف مقامات، مختلف موضوعات اور مختلف مزاج کے سامعین کے سامنے پیش کئے گئے لیکن ۲۴ سال کے درمیانی عرصہ پر محیط ان تحریروں میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔

''منشورات ''کے تجزیہ و اجمالی جائزہ کیلئے چوتھا ایڈیشن منتخب کیا ہے جو کہ ۱۹۵۰ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ منشورات میں شامل ان تحریروں کی فہرست و تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ اردو لسانیات

۲۔ مبادیات فصاحت

۳۔ اُردو کی موجودہ ضروریات

۴۔ تذکیر وتانیث

۵۔ تشبیہ

۶۔ متروکات

۷۔ گلاگلاب

۸۔ اردو اور لکھنؤ

۹۔ نظر اور خود نظری

۱۰۔ شمس العلما حضرت آزاد (مرحوم)

۱۱۔ نئی شاعری کا پہلا مشاعرہ

۱۲۔ اردو اور پنجاب

اس مضمون میں ان لیکچرز کا ہی تجزیاتی مطالعہ کریں گے جو لسانیات سے متعلقہ ہیں ''منشورات '' میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کا سب سے پہلے شامل ہونے والا لیکچر ''اردو لسانیات '' ہے۔ یہ ایک توسیعی لیکچر ہے۔ جو کیفی نے کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں ۱۹۳۱ء میں دیا۔ اس لیکچر میں کیفی نے بتایا کہ زبان اصل میں انسان کے تعینات یا ارادوں میں سے ہے۔ وہ ان کی معمول ہے اور وہی اس کے محافظ و قار ہیں۔ انہوں نے اپنی ضروریات کے مطابق اسے اپنے ڈھب کا بنایا ہوا ہے۔ ہر جگہ پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیفی نے زبان کے ارتقا کو یوں بیان کیا ہے:

''زبان کا ہر جزو ترکیبی مسلسل تغیرات کا ماحصل ہے۔''(1)

زبان انسانی تہذیب اور نوع انسان کی تاریخ کا ایک شعبہ ہے۔ زبان متعدد علوم سے متعلق ہوا کرتی ہے۔ اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ لسانیات کو دوسرے علوم سے جو امتیاز حاصل ہے اس بارے میں کیفی کا خیال ہے کہ:

''تاریخ کی مانند زبان کی بھی تحلیل علمیہ مثل کیمیا اور طبیعات کے ایک معمل میں ناممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معمل میں اسی شے کا دخل ممکن ہے جو امر واقعہ ہو اور قانون قدرت کے کلیہ کے تحت جگہ پا سکے۔ زبان امر واقعہ تو ہے مگر بہ تقاضائے نوعیت ہمیشہ معرض تغیر میں ہے اور یہی ما بہ الامتیاز لسانیات کو دوسرے علوم سے حاصل ہے۔'' (2)

کیفی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اردو نے قدیم اور متوسط زبانوں میں کیا لسانی ترقی کی اور اس اعتبار سے اب اس کی کیا حالت ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس طرح کی تحقیق کی ضرورت ہے جس سے پتا چلے کہ عہد حاضر میں اردو لسانیات کا معیار کس درجہ کو پہنچا ہے اور یہ کہ وہ معیار اطمینان کے قابل ہے بھی یا نہیں۔

پنڈت کیفی نے زبان کے ترکیبی فعلوں میں سے یہاں صرف دو کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اختراعی یا ابداعی استعداد اور اخذ کی قابلیت۔ یہ دونوں علامتیں ایک زبان کے زندہ ہونے کی علامت ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اختراع بغیر حسن شعور اور ذوق سلیم کے اور اخذ بغیر تصرف حسنہ کے ممکن نہیں۔ یہ لیکچر پنڈت جی نے اس غرض سے منتخب کیا کہ وہ تمام معزز اراکین و اصحاب اور ادیب جو اس اجلاس میں تشریف رکھتے تھے ان کی توجہ اُردو کی لسانیاتی حالت کی جانب دلائی جائے۔ پنڈت جی کی رائے ملاحظہ کریں۔

''جب کوئی زبان اختراع و اخذ کے بارے میں قوت فعل سے عاری ہو جاتی ہے تو ارتقاء کی شاہراہ سے بھٹک جاتی ہے۔ اگر ابھی سے روک تھام نہ کی گئی تو خوف ہے کہ اب سے دور یہ موذی مرض کہیں لاعلاج نہ بن جائے۔''(3)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

متقدمین جب اردو یا ریختہ کو منظم کرنے کیلئے متوجہ ہوئے تو ان کے سامنے کوئی مکمل دیسی ہندوستانی نمونہ موجود نہ تھا۔اس وقت کی ہندی یا برج بھاشا، شورسینی یا پراکرت کو آج کل کے لسانیاتی معیار کے مطابق مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ''ہند ایرانی '' مسالے سے جو بت تیار ہوا تھا اس کی پوشاک تو ہندوستانی رہی لیکن اس کیلئے زیور کچھ ہندوستان اور زیادہ تر ایران کا استعمال کیا گیا۔اردو زبان کی تدوین وتزئین سے متعلق پنڈت جی لکھتے ہیں :

''اردو زبان کی تدوین وتزئین کے بہت سے اصول اور طریقے بتائے گئے ہیں لیکن جو گر سید انشا مرحوم نے دریافت کیا فلسفہ زبان کا سرتاج ہے اور رہے گا۔ جب تک کہ اردو زندہ ہے۔''(4)

کیفی نے وضاحت کی ہے کہ اُردو تصرفات بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ اُردو پہلے تو وہ عربی یا سنسکرت کی طرح صرفی زبان نہیں اور دوسرا یہ کہ اس کی بنیاد کانٹ چھانٹ اور تصرف ہے۔ کیفی اس ضمن میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں :

'' یہ تصرفات اردو جن کو میں ایک لفظ ''تاوید '' سے تعبیر کروں گا تفریس وتعریب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور رکھیں گے جب تک اردو زندہ اور چالو زبان ہے۔'' (5)

کیفی نے بتایا ہے کہ تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ دسویں صدی کے قریب شورسینی آپ بھرنش سے مغربی ہند نکلی جس کے میل سے دوآبہ گنجم میں ایک نئی زبان پیدا ہوئی۔اسے مستشرقین اور لسان ماہرین ہندوستانی کہتے ہیں۔ پھر اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ یہ دو شاخیں ہندی اور اُردو ہیں۔ جب تک ہندوستانی دو شاخوں میں منقسم ہو کر جداگانہ ضبط تحریر میں نہ آئی سب برابر کام کرتے رہے اور اسے بناتے رہے۔ان لوگوں کے نزدیک ہندو مسلمان اور ان کی مذہبی روایتیں اور اصطلاحیں یکساں تھیں۔انہوں نے اُردو میں بہت سے تصرفات کئے۔ کیفی نے اس طرح کے تصرفات کی کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔پنڈت جی نے حفظ مراتب کی نظر اور ادبی رواداری پر تنقید بھی کی ہے کہ انہوں نے لفظ کو مفرد حالت میں تو اپنے ڈھب کا بنالیا مگر مرکب حالت میں اس کی اصلیت ہیئت کو ہاتھ نہ لگایا۔پنڈت جی نے اس کی مثال یوں دی ہے :

"سانچ کو بدل کر سچ کر لیا لیکن ''سانچ کو آنچ نہی" اس میں سانچ ہی رہنے دیا۔اسی طرح ہست سے بتدریج ہتھ بنا۔ جب ہمارے ہتھے چڑھا تو ہم نے اس کو ہاتھ بنالیا۔ لیکن مرکبات میں اس کی وہی شورسینی شکل قائم رکھی۔ جیسے ''ہتھ چٹ''،"ہتھ پھیری "ہتھ کنڈا۔''(6)

پنڈت جی قدما اور متوسطین کی نکتہ رسی اور معنی آفرینی کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے ایک معمولی لفظ کے مترادف اتنے الفاظ اختراع کیے اور ان کو وہ معنی پہنائے کہ نفسیات کا ماہر دنگ رہ جاتا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ ہماری زبان کا دامن کتنا وسیع ہے۔انہوں نے ماخذ کی پرواہ نہ کر کے ماخوذ سے واسطہ رکھا اور اسے اپنے مطالب کا بنا لیا۔ کیفی کا خیال ہے کہ :

''اگر انہوں نے فارسی اور عربی یا سنسکرت کے لغات کی اندھی تقلید کی ہوتی تو اردو کو یہ لغاتی تمول ہر گز نصیب نہ ہوتا۔اب جو کوئی ''ازاحتہ الاغلاط'' یا ''تصحیح الغات''، وغیرہ کا نام لے تو سمجھو کہ وہ اُردو کا اہل نہیں۔'' (7)

پنڈت دتاتریہ کیفی کا دوسرا لیکچر ''مبادیات فصاحت'' ہے جو انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کلب حیدرآباد دکن میں ۱۹۳۰ء میں دیا۔اس لیکچر میں کیفی نے قاعدے اور ضابطے کی پابندی پر زور دیا ہے۔ قاعدہ وہی مفید ہوتا ہے جو سائنسی یا علمی اصول کی میزان میں پورا اترے۔ تہذیب کے دوسرے اداروں کی مانند زبان بھی ضابطے اور قواعد کی محتاج ہے۔اس لیکچر میں کیفی نے فصاحت، فصاحت کلمہ، فصاحت متکلم اور متروکات وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔پنڈت جی نے فصاحت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

''فصاحت کلام کا وہ وصف ہے جو قاری یا سامع کے ذہن کو منشی یا متکلم کے ذہن کے قریب ترین پہنچاتا ہے۔''(8)

کیفی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعض افراد اس خیال کے ہوتے ہیں جو قاعدے اور قانون کو فضول سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں مشق اور عادت سب کچھ سکھا دیتی ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ادب کے حق میں بت شکن ہیں وہ پرانے بت توڑ کر اپنے نئے بت بناتے ہیں اور خلقت سے ان کی پرستش کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیفی کے نزدیک :

''متمدن جماعت کی مصروفیات کے ہر شعبے میں ضابطے اور قانون کی ضرورت مسلم ہے۔''(9)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

قاعدے سے متعلق لائحہ عمل میں خود اختلاف ہو لیکن اس سے قطعاً انکار نہیں کر سکتے۔ کچھ عیوب ایسے ہیں جو مخاطب کے ذہن کو متکلم یا منشی کے ذہن کے قرین نہیں پہنچنے دیتے۔ ان عیوب سے بچنا ہدایت کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔ کیفی لکھتے ہیں:

"ہدایت کا ماخذ استاد کی اصلاح ہو یا فن کی کتابوں کا مطالعہ بات ایک ہی ہے۔" (10)

قاعدہ وہی فائدہ مند ہوتا ہے جو علمی اصولوں پر پورا اترے۔ اس کی وضاحت کیلئے کیفی نے اسم ذات اور اسم صفت کی ترتیب کی مثال پیش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کلام میں صفت سے پہلے موصوف لایا جائے یا اس کا الٹ۔ فرانسیسی اور فارسی زبانوں میں موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں۔ انگریزی اور اردو میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ اس کیلئے انہوں نے "مشکی گھوڑا" کی مثال پیش کی ہے۔ ملاحظہ کریں:

"صفت کو پہلے اور موصوف کو بعد میں لائیں یعنی "مشکی گھوڑا" کہیں تو مغالطے اور مزاحمت کا امکان نہیں رہتا۔"(11)

کیفی نے اپنے لیکچر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اردو کی ترقی اور زبان کی توسیع اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ قدیم ضابطے کا جائزہ لیا جائے۔ زبان کے تغیر اور حالیہ ضروریات کا لحاظ رکھا جائے۔ مستقبل کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ منقول اور سند کے مقابلہ میں معقول اور سائنس کو جگہ دی جائے اور ایسا ضابطہ مرتب کیا جائے جو خاص و عام میں مقبول ہوا۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیفی نے "مبادات فصاحت" کے موضوع کا انتخاب کیا۔ فصاحت اور بلاغت سے متعلق کیفی کی رائے ہے کہ:

"بلاغت کیلئے فصاحت پہلی شرط ہے۔"(12)

ان کا کہنا ہے کہ کلام میں سخت اور تاثر کا لحاظ کم رکھا جاتا ہے۔ زبان کی صلاحیت کے تحفظ کو مد نظر رکھ کر قدیم زمانے میں ادیبوں نے قائدے مقرر کیے۔ اُردو میں یہ قاعدے فارسی سے آئے اور فارسی میں عربی سے۔ اصل ماخذ اہل عرب نہیں بلکہ اہل عجم تھا۔ عربی کی جن کتابوں میں فصاحت کا ذکر آیا ہے وہ اگرچہ عجمیوں نے تصنیف کیں لیکن ان کا مطمع نظر کم نہیں بلکہ عرب تھا۔ سید انشا کی "دریائے لطافت" فارسی میں لکھی گئی تھی۔ اس بارے میں کیفی لکھتے ہیں۔

"دریائے لطافت، اگرچہ اس زمانے کے دستور کے مطابق فارسی میں لکھی گئی لیکن اس کتاب کو اُردو کے فن انشاء کی اولین کتاب تسلیم کرنا چاہیے۔ زبان دانی کے بنیادی اصول اور قاعدے سید انشا نے قرار دیئے۔ ان کی تشریح کی اور تمثیل سے اپنے عندیہ کو واضح کیا۔" (13)

کیفی نے دو امور کی جانب توجہ دلائی ہے۔ پہلا "فصاحت" اور دوسرا "فصاحت کلمہ" منطق کی رو سے فصاحت کی تعریف جامع و مانع ہونی چاہئے۔ فصاحت کی وضاحت کرتے ہوئے کیفی نے کتنی عمدہ مثال دی ہے:

"اگر ایک لمحہ کیلئے مذہبی تقدس کی نظر ہٹا کر محض ادبی نگاہ قرآن مجید پر ڈالی جائے تو ثابت ہوگا کہ اس کا لفظ لفظ فصاحت کی روح رواں ہے۔"(14)

کیفی نے فصاحت کلمہ، فصاحت کلام اور فصاحت متکلم کی وضاحت بڑے اچھے انداز میں کی ہے۔ پنڈت جی نے متروکات کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جو لفظ متروک ہو چکے ہیں وہ گویا زبان سے خارج کر دیئے گئے۔ لغات میں جو پائے جاتے ہیں وہ اس غرض سے کہ متقدمین کا کلام سمجھنے میں مدد ملے۔ ان میں سے چند الفاظ کا استعمال تو درست ہے لیکن بعض صورتوں میں تو ٹھیک نہیں۔

فصاحت متکلم کا تعلق زیادہ تر خطابت سے ہے۔ ضروری ہے کہ بولنے میں ہر لفظ صحیح تلفظ میں ادا ہو اور ہر حرف سے اس کی صحیح آواز پیدا ہو۔ صحت تکلم اہل زبان کے لہجے سے وابستگی رکھتی ہے اور یہ فرق ہر ملک اور ہر زبان میں موجود ہے۔ قربت ذہن کے بارے میں کیفی یوں رقمطراز ہیں:

"قربت ذہن نہایت جامع کلمہ واقع ہوا ہے اس بحث میں نہ صرف علم لسان بلکہ نفسیات کے تحت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔"(15)

کیفی کا تیسرا لیکچر "اردو کی موجودہ ضروریات" ہے۔ یہ لیکچر انہوں نے اُردو سبھا لاہور میں ۱۹۳۴ء میں دیا۔ اس لیکچر میں کیفی نے اُردو سے متعلق کئی اہم امور کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ان میں اُردو زبان و ادب میں ترمیم و اصلاح، اُردو زبان کی ترقی، نئی اصطلاحات وضع کرنا، لغات میں توسیع، مرکبات اور قواعد فصاحت میں ترمیم اور نظر ثانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پنڈت جی اپنے لیکچر کے آغاز میں کہتے ہیں کہ ان صداقتوں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اُردو ایک زندہ زبان ہے۔ اس میں ترقی ممکن ہے اس میں موجودہ ضروریات کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ پنڈت جی کی رائے میں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"کیاان بدیہی صداقتوں سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے کہ اردو زبان زندہ ہے۔اردو بہ حیثیت ایک زبان کے اعلیٰ ترین ترقی کے امکان رکھتی ہے۔اردو توسیع پذیر ہے۔اس کی اشاعت روز افزوں ہے۔اس کی زبان اور ادب میں ہمیشہ ترمیم اصلاح ہوتی رہتی ہے۔" (16)

زبان کی ترقی کیلئے دو چیز یں ضروری ہیں (۱)الفاظ کا وافر ذخیرہ (۲) ان کی تنظیم۔یہ دونوں امور زبان کی ساخت اور ترکیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔زبان کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں موصوف کا کہنا ہے کہ:

"اردو کے اجزائے ترکیبی ہندی زبانیں اور فارسی ہیں۔آپ دیکھتے ہیں کہ میں نے ہندی زبانیں کہا ہے،اس سے میری مراد ہے ہندوستان کی دیسی زبانیں ۔" (17)

سنسکرت کی نسبت عربی کلمات اردو میں زیادہ داخل ہوئے۔اردو میں پہلے پہل مقامی اور وقتی ضروریات کے پیش نظر توجہ دی گئی۔پھر اس کی طرف اہل علم کی توجہ ہوئی۔انہوں نے قواعد مرتب کئے۔اصول قائم کئے۔آئین اور دستور بنائے۔یہاں سے اُردو کی تنظیم شروع ہوئی جو انیسویں صدی عیسوی کی شروعات تک جاری رہی۔

پچھلی نصف صدی میں اسلامی ضروریات سے قطع نظر اردو میں کوئی مفرد یا مرکب کلمہ بھی وضع نہیں کیا گیا بلکہ اکثر کام کے الفاظ متروک بن گئے۔ان بزرگوں نے سیدھی سادھی اُردو کی تراکیب چھوڑ کر فارسی اور عربی لغات کی بھرمار کر دی۔ پنڈت جی نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

"متاخرین کے کارنامے صرف یہ ہیں کہ انہوں نے اردو کو باقاعدہ سیکھنے سکھانے کا تو کبھی خیال تک نہ کیا۔مگر ضرورت پر یا بے ضرورت کلام کو برہان اور قاموس کا نقص بنا دیا۔" (18)

اگر ہم اپنی زبان میں دوسری زبانوں کے دست نگر رہیں گے تو نہیں فکر و تخیل کی عادت نہیں رہے گی۔متاخرین نے اردو زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کی بھرمار کر دی۔عربی، فارسی سنسکرت اور فرنگی کلمے اردو میں ہیں اور رہیں گے۔بحث ضرورت، تلفظ اور معنی سے ہے۔ان زبانوں سے اُردو میں الفاظ کو لاتے ہوئے ان الفاظ کے تلفظ بدل دیئے گئے اور جمع بناتے ہوئے بھی اصول وضوابط کا خیال نہ رکھا گیا۔مقدس کلے بھی اُردو کے تصرف سے نہ بچ سکے۔کیفی کا اس ضمن خیال ہے کہ:

"زبان صرفی ہو یا غیر صرفی،دوسری زبانوں کے کلموں کے شمول سے نہیں بچ سکتی۔" (19)

اس عہد میں نئی اصطلاحات وضع کرنے اور لغات میں توسیع کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔کیفی نے چند اصطلاحات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں ترمیم کرنی پڑی۔کچھ اصطلاحات کے لفظی ترجمے بڑے مضحکہ خیز انداز میں کئے گئے۔کیفی کا کہنا ہے کہ اگر ہم اسموں اور افعال کی تذکیر وتانیث کے بارے میں دو کلیے اور چند ضمنی قاعدے قرار دے دیں تو تمام خرابیاں اور اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ان دو کلیوں کی وضاحت پنڈت جی نے اس طرح کی ہے:

"وہ کلیے یہ ہیں (۱) جس غیر ذی روح شے کے نام میں جمالی شان پائی جائے اسے مونث اور جس میں جلالی یعنی ہیبت ایذا دہی اور رعب کی کیفیت پائی جائے اسے مذکر قرار دے دیں (۲) جذبات،احساسات یا افراد موجودات کے ناموں کے متعلق یہ ہونا چاہئے کہ ان کے مترادف یا قریب المعنی جو لفظ پہلے سے ہندوستانی یا ہندی وغیرہ میں ہیں ان کی جنسیت کا اتباع لازم سمجھا جائے۔"(20)

کیفی کا چوتھا لیکچر "تذکیر وتانیث " ہے۔یہ لیکچر انہوں نے اُردو سبھا لاہور میں ۱۹۳۴ء میں دیا۔اس لیکچر میں پنڈت جی نے تذکیر وتانیث میں پائے جانے والے اختلاف کے بارے میں بحث کی ہے۔انہوں نے لیکچر کے شروع میں کہا ہے کہ عورتیں جو کانفرنسیں کر کے حقوق کی مساوات کا مطالبہ کرتی ہیں۔کیا اچھا ہوتا کہ یہ کوئی ایسی قرار داد بھی پیش کرتیں کہ زبان میں بھی کلموں کی جنس ایک ہی استعمال ہو۔اگر ایسا ہو جاتا تو موصوف کو تذکیر وتانیث کیلئے دو دو رجن کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔چونکہ اب تک ایسا نہیں ہوا اس لئے اس صورتحال پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔وہ اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ کیا اردو کے متقدمین کے سامنے کوئی نظریہ تھا کہ انہوں نے فلاں لفظ کو مذکر اور فلاں لفظ کو مونث قرار دے دیا۔بقول پنڈت جی :

"ہر زبان میں تذکیر وتانیث حقیقی وغیر حقیقی کسی نہ کسی درجہ تک موجود ہے... جنسیت کے بارے میں استعمال کے شکمی اختلافات بھی اور زبانوں میں ملتے ہیں۔"(21)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کیفی نے چند الفاظ کی مثالیں پیش کی ہیں جن کی تذکیر وتانیث بناتے وقت قاعدے اور اصولوں کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ انہوں نے چند باتیں اصول کے طور پر پیش کی ہیں۔ (۱) ایک لفظ جو کسی زبان سے خواہ سنسکرت یا عربی سے ہماری زبان میں داخل ہو اس کی جنس اس کے مترادف یا قریب المعنی لفظ کی جنس کے موافق ہو گی جو پہلے سے ہمیں معلوم ہے۔ (۲) جن اسموں میں جمالی اوصاف پائے جائیں یا جن کے معنی میں آسودگی کا عنصر ہو انہیں مونث قرار دیا جائے۔ (۳) جن اسموں کے معنی رعب، دہشت اور تشدد پر دلالت کریں انہیں مذکر جنس دی جائے۔ (۴) جو لفظ اُردو میں بالاتفاق مذکر یا مونث ہیں انہیں بالکل نہ چھیڑا جائے۔ کیفی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

''اردو جنسیت کو قاعدے اور اصول کے تحت لانے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت روز بروز بڑھتی جائے گی، کم نہیں ہو گی۔''(22)

جس زبان کے قاعدے مستحکم نہیں ہوتے وہاں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ زبان کے نقائص اور اختلافات کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں پنڈت جی یوں رقمطراز ہیں :

''اردو کے سمجھ بوجھ والے اگر ایک جگہ مل کر بیٹھیں اور ضرورت اور معقولیت کو مد نظر رکھیں تو میں سمجھتا ہوں کہ تمام اختلافات اور نقائص اردو زبان کے دور ہو سکتے ہیں ۔'' (23)

''منشورات ''میں پنڈت دتاتریہ کیفی کا پانچواں لیکچر ''تشبیہ'' سے متعلق ہے۔ یہ لیکچر انہوں نے ۱۹۱۹ء میں دیا۔ اس میں کیفی نے علم بیان پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے ایک رکن یعنی تشبیہ اور اس کے لوازمات کے بارے میں بات کی ہے۔ انہوں نے تشبیہ کے ارکان اور اقسام تشبیہ کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ کیلی نے لیکچر کے شروع میں بارہ علوم کا ذکر کیا ہے اور ادب کی وسعت بیان کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

''ادب کتنا بسیط اور عمیق سمندر ہے۔ ادبیات یا لٹریچر کو عموماً بمقابلہ سائنس و فلسفہ کے نظر استحقار سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن فی الواقع یہ بجائے خود ایک سائنس ہے اور ادیب فلسفی کا پایہ رکھتا ہے۔'' (24)

انہوں نے ادب پر مختصر بات کرتے ہوئے علم بیان کی جانب توجہ دلائی ہے اور پھر اس کے ایک رکن تشبیہ کے متعلق ایسے نکات پیش کئے ہیں جن کا جاننا ہر لکھنے پڑھنے والے خصوصا شاعروں کیلئے نہایت ضروری ہے۔

چھٹا لیکچر ''متروکات'' سے متعلق ہے۔ یہ لیکچر پنڈت دتاتریہ کیفی نے ۱۹۲۵ء میں دیا۔ اس میں کیفی نے مختلف الفاظ جو متروک ہو چکے ہیں ، ان کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ چند برسوں بعد انسان کا گوشت پوست نیا بن جاتا ہے اور وہ اپنی غذا کیلئے بے شمار بیرونی اشیاء کا محتاج ہے لیکن اس کے جسم پر کسی نشتر وغیرہ کے نشان مرتے دم تک باقی رہتے ہیں۔ یہی حال دنیا کی نئی اور غیر صرفی زبانوں کا ہے یعنی اخذ و ترک ان میں برابر جاری رہتا ہے لیکن ان کے جگری نشان اور جوہر جوں کے توں رہتے ہیں۔ کیفی نے ''متروک'' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''متروک وہ لفظ یا ترکیب ہے جو ایک وقت ایک زبان میں بغیر کسی قید یا تخصیص کے مستعمل ہو لیکن پھر اس کا استعمال بالکل یا اس کے ایک مختص معنی میں ترک کر دیا گیا ہو۔'' (25)

زبان کو بہتر بنانے اور معقولیت کی بنا پر اخذ و ترک کا سہرا شاہ حاتم کے سر ہے۔ انہوں نے بہت سے ہندی اور دکنی الفاظ ترک کر کے ان کی جگہ فارسی کے ایسے الفاظ زبان میں داخل کئے جو غیر مانوس نہ تھے۔ اس کے بعد میر تقی میر، سوز، مصحفی، انشاء، مومن، ذوق، غالب اور ناسخ وغیرہ نے بہت سے الفاظ ترک کئے۔ رشک مرحوم کے بارے میں کیفی کا کہنا ہے کہ :

''رشک مرحوم ان متروکات کے دفتر کو ہمیشہ مقفل رکھتے تھے اور اپنے خاص شاگردوں کے سوا کسی کو مستفیض نہ ہونے دیتے تھے۔'' (26)

کیفی کا خیال ہے کہ اس بحث میں چند کتابیں اور رسالے قابل ذکر ہیں جیسے آب حیات (مصنف) آزاد مرحوم، تسہیل البلاغت (مصنف) مرزا محمد سجاد بیگ دہلوی، اصلاح زبان اُردو (مصنف) خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی وغیرہ۔ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو کبھی کسی کے استعمال میں آئے ہی نہیں تو ان کو ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے جیسے سندیسا کا لفظ لکھنؤ کے شعرا نے استعمال نہیں کیا مگر دہلی میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

متروک الفاظ کی وجہ معلوم ہونی چاہئے کہ ان کو متروک قرار کیوں دیا گیا۔ جن الفاظ کو اُردو میں ترک کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک کی نسبت بھی کبھی یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس وجہ سے اس اصول کے تحت یہ لفظ ترک کیا گیا۔ اگر اسی طرح الفاظ کو متروک کیا جاتا رہا تو زبان کی ترقی کی رفتار کم ہو جائے گی۔ اس ضمن ان کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے:

''اردو والے یاد رکھیں اور خوب یاد رکھیں کہ اگر ان کے متروک الاستعمال کی لے اس طرح بڑھتی گئی تو ان کی وہی گت ہو گی جو ''خارج از برادری'' کی لے نے ہندوؤں کی بنائی ہے۔''(27)

پنڈت جی نے انجمن ارباب علم، لاہور میں ۱۹۲۳ء میں ''اردو اور پنجاب'' کے عنوان سے لیکچر دیا۔ انھوں نے اپنے لیکچر کا آغاز کس قدر اچھوتے انداز میں کیا تھا:

''اگرچہ یہ کہنا درست ہے کہ زبان اظہار خیال کا آلہ ہے لیکن زبان کی یہ تعریف جامع و مانع نہیں کہی جا سکتی۔ مزاولت سے زبان ذہن کی ترتیب و فکر کی تدوین کا آلہ بھی ثابت ہوتی ہے۔''(28)

اگر کسی کو ایسی زبان سکھائی جائے جو مختلف نقائص سے پاک ہو اور وہ ویسی زبان بولنے اور لکھنے کا عادی ہو جائے اور اس میں زبان سے متعلق غور و فکر کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر مستقیم ہو گی۔ اگر فکر مضبوط ہو تو پھر اسے فوراً ضابطوں کے سمجھنے اور اصول قائم کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ کیفی کے مطابق بعض اوقات ایسی صورتحال بھی پیش آتی ہے۔

''ایک شخص فکرت پر تو قدرت رکھتا ہے مگر زبان پر نہیں۔''(29)

زبان میں نقائص سے بچنے کیلئے کچھ قاعدے اور ضابطے مرتب کئے جاتے ہیں جن کی پابندی ہر ایک پر لازم ہے۔ کچھ لوگ جمہوریت کے معنی کا غلط مطلب لیتے ہیں۔ جمہوریت میں چند اشخاص ذمہ داری کیلئے نامزد ہوا کرتے ہیں۔ انسان بالطبع متمدن ہے اس کی زبان بھی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ضابطہ اور تنظیم کے تحت ہے۔ پنڈت جی نے کلام فصیح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''کلام فصیح وہ کلام ہے جو غرابت، تنافر حروف، مخالفت قیاس لغوی اور عیب ترکیب سے پاک ہو۔''(30)

غیر مانوس لغات کلام کو فصاحت سے دور کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ جب ایک کلام فصاحت سے دور ہو جائے تو تاثیر سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی عادت ایسی بگڑ گئی ہے کہ بلاضرورت کام میں دوسری زبانوں کے الفاظ شامل کرنے لگتے ہیں۔ کیفی ایسے لوگوں پر طنز کرتے ہیں :

''یعنی مشتاق اہل قلم اور مصنف خاص کر ایسے موقع پر جس کی اہمیت اعلیٰ درجہ کی ہو، اپنے قلم پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ایک ہی تحریر میں ایک سے زیادہ الفاظ تحریر کریں گے۔''(31)

سب جانتے ہیں کہ جب کسی جماعت میں بیداری کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو ہر چیز نیا اور قومی رنگ اختیار کرتی جاتی ہے۔ سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ اور باتوں میں بھی آزادی آتی جاتی ہے۔ آزادی کسی بھی قسم کی ہو ضابطہ اور معقولیت کی پابند ہونی چاہئے۔ جاپان اور انگلستان جیسی متمدن اقوام کی مثال پیش کی گئی ہے جنھوں نے غیر زبانوں کے کتنے خیالات، الفاظ اور ترکیبیں اپنے ہاں لئے اور ان کو اپنے ذہن اور زبان کے سانچے میں ڈھال لیا۔ بعض شعراء کلام میں استعاروں اور تشبیہوں کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ کیفی نے اس صورتحال کا جائزہ باریک بینی سے لیا ہے :

''جاننا چاہئے کہ انسان کا نفس عقلی کی نسبت حسی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور لطف سخن کی بنیاد محاکات پر ہے۔ اس لئے تشبیہ کو علم بیان میں جگہ دی گئی ہے۔ لیکن لکھنے والوں کو احتیاط چاہئے۔''(32)

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جو خیال دو تین چھوٹے چھوٹے جملوں میں آسانی سے ادا ہو سکتا ہے اسے ایک لمبے جملے میں الجھا دیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اردو کو ہندوستانی زبان بنانا ہے تو عربی، ایرانی کی بجائے ہندی آمیز اردو بنایا جائے۔ انہوں نے اپنے اس لیکچر میں اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اردو کہاں پیدا ہوئی اور اس نے کہاں نشو و نما پائی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

پنجاب کا اردو سے خاص تعلق ہے۔اس کا باعث خواہ کوئی بھی واقعات ہوں لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ پنجاب ان خطوں میں سے ہے جنہیں اردو سے خصوصیت ہے۔اردو کی ترقی و توسیع میں پنجاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔پنڈت جی کھلے دل سے اہلیان پنجاب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں:

''اردو ادب اور تہذیب انشا کے باب میں پنجاب کے شعراء اور اہل قلم کا بڑا حصہ ہے۔''(33)

انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے کہ اہل زبان کا ایک طبقہ پنجاب کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کرتا رہا ہے لیکن اس پر بھی پنجاب نے تحمل سے کام لیا۔اس کے پیچھے کئی وجوہات تھیں جنہوں نے لکھنؤ کے ایک حصے کے ہاتھوں پنجاب کے ساتھ یہ غیر متوقع سلوک کرایا۔ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ پنجاب بھی ان کی طرح دہلی سے آزاد ہو کر خود مختار بن جائے۔ کیفی نے اہل زبان کو اپنے انداز میں نصیحت کی ہے:

''دہلی میں اس دور اندیشی کی صلاحیت تھی،اس نے پنجاب کی ترقیات اردو پر ہمدردی اور مسرت کا اظہار کیا۔ لکھنؤ اس سے عاری تھا۔خواہ مخواہ مخالفت پر تل گیا۔''(34)

کیفی نے اپنے پنجابی بھائیوں سے بھی کہا ہے کہ اردو کے باب میں اس غلطی سے بچے رہیں جو لکھنوی بھائیوں نے کی۔

اس تصنیف کا تنقیدی جائزہ لینے سے علم ہوتا ہے جن اصولوں پر پنڈت کیفی نے اقرار کرتے ہوئے اردو خواں طبقہ پر زور دیا ہے کہ وہ ان اصولوں کی ضرور پیروی کریں ان سے خود بھی انحراف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے پنڈت کیفی کے اس طرز عمل پر اعتراض کیا ہے:

''خود ان کے بیان کئے ہوئے بعض نقائص ان کی اپنی تحریروں میں مل جاتے ہیں۔ایسے مقامات پر ان کے اسلوب کا فطری حسن رخصت ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ علمیت جتائی جا رہی ہے اور قاری یا سامع کو مرعوب کیا جا رہا ہے۔'' (35)

کیفی کے ہاں کئی جملوں کی ساخت بعض جگہ انگریزی سے اور بعض جگہ بلا ضرورت فارسی سے متاثر معلوم ہوتی ہے۔مثال کیلئے یہ اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

''آپ جانتے ہیں کہ فکر قوت کا وہ درجہ ہے کہ جس تک ترقی کرنے سے التزاماً انسان کا ذہن اتنا صحیح الفکرات اور قوی الحرکت،وسیع المشاہدات اور سریع المناظرات ہو جاتا ہے کہ پھر اسے فوراً ضابطوں کے سمجھنے اور نفس نظام کے پہچاننے یعنی اصول قائم کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔'' (36)

وہ شخص جس نے ساری عمر سادہ اور عام فہم زبان لکھنے کی تلقین کی ہو،اس کے ہاں جب ہم کئی کئی سطروں یا پورے پیرا گراف میں پھیلے ہوئے جملوں کو دیکھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے۔ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں جہاں انہوں نے بعض الفاظ یا ترکیبوں کو نامانوس طریقے سے استعمال کیا ہے۔اس ضمن میں ان کا یہ جملہ ملاحظہ کریں:

''یہ دلیل اس وقت پذیر ہو سکتی تھی۔'' (37)

جو شخص ساری زندگی سادہ اور سلیس زبان کی حمایت میں سب سے آگے رہا ہو اور دوسروں پر اعتراض کرتا رہا ہو،اگر خود اس کا اپنا اسلوب نقائص سے پاک نہ ہو تو حیرت ہوتی ہے۔ کیفی اپنی زبان کے بارے میں وہ کسی کی تنقید سننے کے روادار نہ تھے۔ گویا زبان کے معاملے میں جہاں وہ بت شکن تھے،اپنے اسلوب کے معاملے میں وہ بت پرست تھے۔

کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو کی ابتداء کے بارے میں ان کی معلومات ادھوری ہیں۔وہ مرکبات اور مشتقات کے بارے میں اخذ و تصرف کے قائل تھے۔ کہیں کہیں یہ لے بہت بڑھ گئی ہے۔انہوں نے ایسے الفاظ کی فہرستیں پیش کی ہیں جنہیں خود انہوں نے وضع کیا تھا اور چاہتے تھے کہ دوسرے بھی انہیں اپنائیں اور عام استعمال میں لے آئیں لیکن ان میں سے کچھ الفاظ کو سوائے ان کے کسی دوسرے نے استعمال نہیں کیا۔عربی میں قاعدہ ہے کہ ایک لغت جو مفرد میں مونث ہو جمع سالم کی صورت میں مذکر ہو جاتا ہے۔ کیفی اردو میں اس اصول کی پیروی کے خلاف تھے لیکن ان کے بعض جملے خود ان کے اصول کی نفی کرتے ہیں ۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اس کی مثال یوں پیش کی ہے۔

''اطراف تشبیہ کے دیگر تشبیہی تفصیلات اور باریک نکات کو نظر انداز کر کے اب میں وجہ شبہ کا ذکر کرتا ہوں۔''(39)

اس طرح کی چند خامیوں سے قطع نظر ان کی یہ تصنیف اس حوالے سے گراں قدر ہے کہ اس میں اردو لسانیات کے مختلف پہلوؤں پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو پنڈت کیفی کے وسیع مطالعہ اور برسوں کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔لسانیات کے میدان میں پنڈت کیفی کی خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

حوالہ جات:

1۔ درخشان زریں،ڈاکٹر،''اردولسانیات کی تاریخ(تحقیق وتنقید) ''ص : ۲۷۵

2۔ کیفی،پنڈت برج موہن دتاتریہ (۱۹۵۰ء)،''منشورات''(چوتھاایڈیشن)،لاہور،مکتب معین الادب،ص ۸:

3۔ ایضاً،ص:۹

4۔ ایضاً،ص:۱۲

5۔ ایضاً،ص: ۱۳

6۔ ایضاً،ص:۱۴

7۔ ایضاً،ص:۱۸۔۱۹

8۔ ایضاً،ص:۲۲

9۔ ایضاً،ص:۲۴

10۔ ایضاً،ص:۳۵

11۔ ایضاً،ص:۳۶

12۔ ایضاً،ص:۳۷

13۔ ایضاً،ص:۴۱

14۔ ایضاً،ص:۴۲

15۔ ایضاً،ص:۴۴

16۔ ایضاً،ص:۶۷

17۔ ایضاً،ص:۶۸

18۔ ایضاً،ص:۶۹

19۔ ایضاً،ص:۷۰

20۔ ایضاً،ص:۷۰

21۔ ایضاً،ص:۷۵

22۔ ایضاً،ص:۸۴

23۔ ایضاً،ص:۹۷

24۔ ایضاً،ص:۹۸

25۔ ایضاً،ص:۹۹

26۔ ایضاً،ص:۱۵۹

27۔ ایضاً،ص:۱۲۸

28۔ ایضاً،ص:۱۳۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

29۔ ایضاً،ص:۲۸۲

30۔ ایضاً،ص:۲۸۶

31۔ ایضاً،ص:۲۸۶

32۔ ایضاً،ص:۲۸۸

33۔ ایضاً،ص:۲۹۵

34۔ ایضاً،ص:۳۰۳

35۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،(۲۰۰۷ء) ،''اردو زبان اور لسانیات ''،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،ص : ۱۸۴

36۔ کیفی،پنڈت برج موہن دتاتریہ،''منشورات''(چوتھا ایڈیشن) ،ص : ۲۸۲

37۔ ایضاً،ص:۶۲

38۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،''اردو زبان اور لسانیات ''،ص : ۱۸۶